غلام احمد قادیانی

الہام ۱۳۰۱ھ

اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵

تار کا پتہ الفضل قادیان بٹالہ

THE ALFAZL

QADIAN

اخبار

ہفتہ میں تین بار

فی پرچہ تین پیسے

ایڈیٹر غلام نبی

قیمت سالانہ پیشگی ... ششماہی ... سہ ماہی ... بیرون ہند ...

الفضل

قادیان

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۴۸

مورخہ ۲۸ ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء یوم سہ شنبہ مطابق ۲۸ ر ربیع الاول سنہ ۱۳۴۳ھ

جلد ۱۲

مدینۃ المسیح

خاندان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر و عافیت ہے۔

حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب و دیگر بزرگان سلسلہ بخیر و عافیت ہیں۔

جناب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب جہلم سے اور جناب سید زین العابدین ولی اللہ صاحب لاہور سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔

۲۴ ر اکتوبر بعد نماز جمعہ ایک مذہبی سکھ جناب مولوی سید سرور شاہ صاحب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔

مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کا آخری دم تک استقلال

قتل بیگناہ کی امیر کابل نے تصدیق کی۔ نامہ نگار ڈیلی ... بیان

اخبار مذکور میں اسکے ایک نامہ نگار کی طرف سے جو انگریز معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل مضمون شائع ہوا ہے:۔

"ایک مسلمان مولوی کی کہانی جسپر کابل میں قتل کا فتویٰ لگایا گیا۔ ہمارے ایک کابلی نامہ نگار کے قلم سے۔

کابل ۲ ر ستمبر۔ چند دن گذرے۔ کابل کی چھاؤنی شیرپور کے حدود میں ایک شخص جس کا نام نعمت اللہ قادیانی تھا۔ جو اپنے مذہبی خیالات عام اسلامی عقائد اور امام ابو حنیفہ کے فیصلہ کے خلاف رکھتا تھا۔ اور قادیانی عقائد کی تلقین کرتا تھا۔ عدالت ماتحت۔ عدالت اپیل اور عدالت اعلیٰ کے علماء کے فتویٰ کے مطابق جو اسپر لگایا گیا۔ سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا۔

ایک بہت بڑا مجمع اس فتویٰ کو عمل میں لانے کا نظارہ دیکھنے کیلئے ... گیا۔ مگر وہ شخص باوجود اپنے نہایت ہی خوفناک انجام کے جو ... انتظار کر رہا تھا۔ نہایت مضبوطی اور پختگی کے ساتھ اپنے عقائد کا اظہار کرتا رہا۔ اور اپنے آخری سانس تک اپنے عقیدہ پر قائم رہا۔

اسی حالت میں کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کر رہا تھا۔ اسپر اس کثرت سے پتھروں کی بوچھاڑ برسنی شروع ہو گئی۔ کہ چند لمحوں میں ہی اس کا جسم کلی طور پر پتھروں کے بہت بڑے تودے کے نیچے دب گیا۔

کابل کی عدالتوں کی کارروائی کی تفصیل دیکر آخر میں لکھتا ہے:۔

"اس کارروائی کے بعد امیر نے ملک کے دستور کے مطابق اس فیصلہ کی بذات خود ... جد یہ فیصلہ عمل میں لایا گیا۔"

نظم

بُرہانِ رجم

امرتسر کے رسالہ بلاغ ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں حسب ذیل نظم مع نوٹ چھپی ہے :۔

بگفت گوشہ نشینے کہ اے امان اللہ
بحدِّ رجم چرا گشتہ حقیقت پوش

سزائے مُرتد اگر ایں بود بہ ملت
بہ بزم وہر شود شمع پند و وعظ خموش

اگر کسے بخیال تو ارتداد گزید
جزائے اوست جہنم کلام حق بہ نیوش

مگر نہ آگہی از سرِّ نصِّ لا اکراہ
قدم زدی بہ رہِ مفتیانِ جبر فروش

بگفت امیر کہ از حکم شرع آگاہم
ولے سیاست ملکم نمود حلقہ بگوش

بہ بردہ ام چو بہ حصنِ حصین شرع پناہ
[illegible] شرعی لطعن و طنز مکوش

رموز [illegible] خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی تو بخیر مخروش

(نوٹ) یہ رجم اسلام کے قطعاً مخالف واقع ہوا ہے امیر صاحب اپنی [illegible] اپنی قوم کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر قوم کے بگڑے بگڑے حالات [illegible] ہی کو [illegible] ابھی تازہ بات ہے کہ ہم امیر صاحب کو [illegible] عام آزادی کا اعلان کرتے ہوئے دیکھتے تھے کہ ہر قسم کے خیالات سے انسان با آزادی امیر صاحب کی قلمرو میں رہ سکتے ہیں۔ یا اب [illegible] رجم قتل کا واقع سنتے ہیں۔ جس کو اسلامی شعار کے تحت لانے کی سعی کی جاتی ہے۔ جو اسلام کے خوبصورت چہرہ پر بدنما دھبہ ہے۔ خدا ہمیں توفیق بخشے کہ ہم بہت ہی گہری سوچ اور قرآنی تعلیمات کے مطالعہ کے بعد ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالا کریں۔ جیسے انتہائی جبر و استبداد اور ہمیشہ [illegible] نتیجہ ہوا کرتے ہیں۔ خدا امیر کو پابندی احکام کی توفیق عطا فرمائے۔"

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کا ذکر

ولایت کے اخبارات میں

اخبار ویسٹ منسٹر گزٹ اپنے ۸ ستمبر ۱۹۲۴ء کے پرچہ میں لکھتا ہے :۔

"ہز ہولی نس خلیفۃ المسیح کی ملاقات اور انکو چائے کی دعوت دینے کے لئے لنڈن کے مسلمان کل بعد دوپہر اپنی مسجد واقع میلروز روڈ سوتھ فیلڈز میں جمع ہوئے۔ لنڈن کے اس حصہ کے باغ میں ایک عجیب منظر تھا۔ ہندوستانی لوگ جن میں سے بعض خالص مغربی لباس میں ملبوس تھے اور بعض نیم مغربی لباس میں جن کے سروں پر پگڑیاں یا رومی ٹوپیاں تھیں۔ نہایت آزادی سے ان یورپین لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ جنمیں سے کثیر تعداد نومسلموں کی تھی۔

اس دعوت پر جو مولوی عبدالرحیم نیر نے دی۔ تقریباً ساٹھ مہمان تھے۔ ہز ہولی نس نے ان میں سے بہتوں کو اپنے ساتھ نہایت ہی سرگرم مذہبی گفتگو میں مشغول رکھا۔ آپ سفید پگڑی باندھے ہر وقت اپنی جماعت کے مودب پیرووں سے گھرے رہتے تھے۔ دوران دعوت میں بارش کے چھینٹے بھی کبھی کبھی پڑتے رہے۔ لیکن وہ خدا کے اس پرستار کی خوشی میں دخل انداز ہوتے معلوم نہیں ہوتے تھے اور وہ تمام جو مدعو تھے۔ چائے اور کیک کی دعوت سے جو مغربی طرز پر پیش کی گئی تھی [illegible] ہوئے

جب دعوت ختم ہو چکی۔ تو مولوی صاحب نے نہایت صاف انگریزی میں ہز ہولی نس کو ان کی آمد پر دل کو لبھانے والا نہایت موثر ایڈریس دیا۔ جس کا ہز ہولی نس نے مناسب اور قاصد طویل جواب دیا۔

کارروائی کے اختتام پر [illegible] حاضرین سب [illegible] حسب معمول مغرب یعنی شام کی نماز ادا کرنے کے لئے [illegible] داخل ہو گئے۔

(۲)

اخبار ڈیلی ایکسپریس ۲۴ ستمبر ۱۹۲۴ء لکھتا ہے :۔

" قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت سے جو مسجد ووکنگ کے مفتی نے کی۔ اس کانفرنس کے دوسرے اجلاس کی کارروائی کا افتتاح کیا گیا۔ جو سلطنت برطانیہ کے زندہ مذاہب کے متعلق کینسنگٹن میں منعقد ہوئی۔

خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ ان تین بڑے مسلمانوں میں سے جنہوں نے اس کانفرنس کے لئے مضمون تیار کئے ایک تھے۔ مگر انہوں نے بذاتِ خود اپنا مضمون نہ پڑھا۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ وہ اس طرح مضمون پڑھنے کے عادی نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے ملک میں بعض اوقات بارہ ہزار آدمیوں کے مجمع میں چھ چھ گھنٹے تقریر کرتے ہیں۔ وہ پلیٹ فارم پر سبز پگڑیوں والے اپنے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔"

(۳)

اخبار مارننگ پوسٹ ۲۴ ستمبر "پیغام اسلام" کے ہیڈنگ کے ماتحت لکھتا ہے :۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے دوسرے اجلاس کے سر تھیوڈور ماریسن چیرمین تھے۔ تیسرا پرچہ حاجی مرزا بشیر الدین صاحب کا تھا جو کہ سلسلہ احمدیہ کے امام ہیں اور جن کا مرکز قادیان پنجاب ہے۔ یہ سلسلہ اپنے بانی کے نام پر موسوم ہے۔ جن کا نام حضرت مرزا غلام احمد تھا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے بعد موجودہ خلیفۃ المسیح تیسرے ہیں۔ بیان کیا گیا۔ کہ احمدیت اسلام میں سے اسی طرح نکلی ہے۔ جس طرح عیسائیت یہودیت میں سے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا پتہ

گذشتہ پرچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا عدن کا پتہ لکھا گیا ہے۔ اس کے متعلق مزید یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ وہاں جو خطوط بھیجے جائیں۔ ان پر اسی شرح سے محصول ڈاک لگیگا۔ جو ہندوستان میں رائج ہے۔ خطوط پر پتہ انگریزی ہونا چاہیئے۔

۲۹ اکتوبر کے بعد جو اصحاب حضور کو بمبئی کے پتہ پر خط لکھنا چاہیں۔ وہ حسب ذیل پتہ پر لکھیں :۔

معرفت چودہری سردار علی صاحب
احمدیہ ایسوسی ایشن ہمینی بلڈنگ۔ قریب کھڑا پارسی
بائی کلا پوسٹ نمبر ۸۔ بمبئی

شکریہ

الفضل کی کسی گذشتہ اشاعت میں تین مقامات پر اخبار مفت جاری کرنے کے لئے تحریک کی گئی تھی اعلان پڑھتے ہی برادرم بابو محمد رشید خان صاحب سب سٹیشن ماسٹر کوٹ نے بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ اسلامیہ کالج اور گوردا سپور کچہری کے لئے اخبار جاری کر کے مجھ سے قیمت وصول فرمالیں جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ برادر موصوف کا یہ طریق مسابقت بالخیرات قابل قدر اور لائق شکریہ ہے۔ سب احباب ایسے قدم اٹھایا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

یوم سہ شنبہ قادیان دارالامان - ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا لنڈن میں چھٹا ہفتہ

۲۵ ستمبر ۱۹۲۴ء سے یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء تک

(نوشتہ مکرم جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

حضرت اقدس کے لیکچر کے متعلق کچھ اور

جو لوگ کانفرنس میں شریک ہوئے ہیں انہوں نے خصوصیت سے اس لیکچر کو دلچسپ ۔ موثر اور انسٹرکٹو قرار دیا ہے مختلف لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ اور اکثروں نے خود آکر اظہار مسرت کیا ہے ۔ اخبارات میں بھی اس دن کی رپورٹ میں خصوصیت سے حضرت خلیفۃ المسیح اور آپ کے لیکچر کا ذکر ہے ۔ اور کانفرنس کے بانی اپنی کانفرنس کی کامیابی حضرت خلیفۃ المسیح کی شمولیت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں ۔ جیسا کہ سر ڈی ۔ راس نے ۲۸ ستمبر کو اٹسر ہوٹل میں تقریر کرتے ہوئے کہا ۔ کہ اگر قادیان سے ہم کو ہمت افزا جواب نہ ملتا ۔ تو ہم کو اس کانفرنس کے لئے ہمت ہی نہ پڑتی ۔ بانیان کانفرنس جب بھی ملتے ہیں اپنی شکر گذاری کا اظہار کرتے ہیں ۔ اس مضمون نے احمدیت کے لئے ایک نئے باب کا افتتاح کیا ہے ۔ لوگوں کے دل ہل گئے ہیں ۔ سوسائٹی کی پابندیاں اور اس کے رسم و رواج ان کی راہ میں روک ہیں ۔ اللہ تعالےٰ چاہے ۔ تو ان کو بھی دور کر دے ۔

حافظ روشن علی صاحب کا لیکچر

۲۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کو پانچ بجے حافظ روشن علی صاحب کا لیکچر صوفی ازم پر ہونے والا تھا ۔ حافظ صاحب کے لیکچر کو جناب مولوی محمد دین صاحب بی ۔ اے مبلغ امریکہ نے ہی ترجمہ کیا تھا اور انہوں نے ہی اس کو پڑھا ۔ اس لیکچر کے لئے بھی پانچ بجے کا وقت تھا ۔ باوجودیکہ پہلے لیکچروں میں حاضری بہت ہی کم تھی اس لیکچر کے وقت لوگ کثرت سے جمع ہو گئے ۔ اور بعض اپنی کرسیاں بالکل سٹیج کے قریب لے آئے ۔ اس جلسہ کے صدر سر فریڈرک فیگن کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ سی ۔ ایس ۔ او تھے ۔ انہوں نے حافظ صاحب کا بہ حیثیت صوفی کے انٹروڈیوس کرایا ۔ کہ حافظ روشن علی صاحب پیدائشی صوفی ہیں ۔ کیونکہ ان کے آباء اجداد صوفی تھے ۔ وہ ضلع گجرات (پنجاب) کے باشندے ہیں ۔ اور قرآن مجید کے حافظ ہیں ۔ اور بیس سال سے احمدی ہیں ۔ وہ پہلے قرآن مجید سنائینگے اور پھر فارسی کے چند شعر پڑھیں گے ۔ اس کے بعد ان کا لیکچر ڈاکٹر محمد دین صاحب سنائیں گے ۔

حافظ صاحب نے سورہ النجم کے پہلے رکوع کی تلاوت کی اور حضرت مسیح موعود کے وہ شعر پڑھے ۔ جو آئینہ کمالات اسلام میں ہیں ؎

محبت تو دوائی ہزار بیماری است ٭ بروئے تو کہ رہائی دریں گرفتاری است

اس کے بعد مولوی محمد دین صاحب نے حافظ صاحب کا لیکچر پڑھا ۔ متعدد مرتبہ حاضرین نے چیرز سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اگرچہ مقررہ وقت ہو چکا تھا ۔ مگر حاضرین کی دلچسپی کو دیکھ کر لیکچر جاری رہا ۔ مگر مضمون چونکہ لمبا تھا ۔ اس لئے ختم نہ ہو سکا ۔ اور پریذیڈنٹ نے اسے ختم کروا دیا ۔ چونکہ یہ لوگ انتظام کی بہت قدر کرتے ہیں ۔ اس لئے حاضرین نے جلسہ کو تو ختم کر دیا ۔ مگر انہیں اس بات کا بہت ہی افسوس ہوا ۔ کہ کیوں اس مضمون کو ناتمام چھوڑا گیا ۔ چنانچہ خاتمہ پر مس شارپل سکرٹری نے آکر کہا ۔ کہ حاضرین اس مضمون سے بہت محظوظ تھے ۔ اور انہوں نے افسوس کیا ہے ۔ کہ کیوں اس کو ختم کر دیا گیا ۔ متعدد حاضرین جدا جدا حافظ صاحب کے پاس آئے ۔ اور اظہار مسرت کے ساتھ اظہار افسوس کرتے تھے کہ لیکچر ناتمام رہ گیا ۔ لیکچر کے خاتمہ پر پریذیڈنٹ بھی جب اپنا آخری ریمارک حافظ صاحب کے لیکچر کے متعلق شکریہ ادا کرنے کا ختم کر چکا ۔ تو حاضرین برابر بیٹھے رہے ۔ حافظ صاحب نے مثنوی کے چند ابتدائی اشعار پڑھنے چاہے ۔ اور یہ تحریک کانفرنس ہی کی طرف سے تھی ۔ چنانچہ جب پریذیڈنٹ نے اس کا اعلان کیا ۔ تو لوگوں نے بہت خوشی کا چیرز سے اظہار کیا ۔ حافظ صاحب نے مثنوی کے شعر کیا پڑھے لوگوں کو بت بنا دیا ۔ ان کی خواہش تھی ۔ کہ وہ اور سنائیں ۔ مگر یہ ممکن نہ تھا ۔ وقت پہلے ہی بہت ہو چکا تھا ۔ حافظ صاحب کے گرد ایک مجمع تھا ۔ اور ہر ایک ان میں سے اپنی مسرت کا اظہار شکریہ کیساتھ کرتا تھا ۔

حافظ صاحب کے لیکچر کو روکنے کی بے سود کوشش

خواجہ حسن نظامی (جو اپنی درویشی اور صوفیت کی لاف زنی میں سب سے آگے ہیں) نے ہندوستان میں یہ معلوم کر کے کہ مذاہب عالم کے جلسہ میں حافظ روشن علی صاحب احمدی صوفی کا لیکچر ہونے والا ہے ۔ یکم ستمبر کے منادی میں ایک نوٹ ۔ "قادیان کے ایک صوفی" کے عنوان سے شائع کیا ۔ اور اس میں لکھا "کہ صوفیوں کے سب سے بڑے دشمن یورپ میں جا کر صوفیوں کی مخالفت کے لئے صوفی بن کر اہل یورپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں ۔ وہ تصوف کے لباس میں تصوف کے خلاف تقریر کریں گے ۔ یہ سب سے بڑا فریب ہے ۔ اور تصوف کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کوئی عداوت نہیں ہو سکتی ۔ میں نے لنڈن کے دوستوں اور مریدوں کو اس دھوکہ کی اطلاع دیدی ہے ۔ اور مذاہب عالم کے سکرٹری کو بھی لکھ دیا ہے ۔ کہ یہ صریح فریب اور دھوکہ ہے ۔ اور میں مشائخ ہند کا ایک جلسہ کر کے لنڈن کو ایک تار بھیجنا چاہتا ہوں"

خواجہ حسن نظامی نے مشائخ ہند کا جلسہ کیا ۔ اور تار بھیجا یہ ہمیں ابھی معلوم نہیں ۔ لیکن سکرٹری جلسہ مذاہب کو لکھنا ۔ اور اپنے مریدان لنڈن کو لکھنا ۔ اس کا انہوں نے خود اعتراف کیا ہے ۔ باوجود ان کوششوں کے کیا حافظ صاحب کا لیکچر رک گیا ۔ خواجہ حسن نظامی شاید یہ سن کر خودکشی کا ارادہ کر لیں ۔ کہ یہ لیکچر انگلستان کی پبلک نے بے حد پسند کیا ۔ اور خود جب خواجہ حسن نظامی لیکچر کو پڑھیں گے تو انہیں معلوم ہو گا ۔ کہ جو کچھ غیظ و غضب کا اظہار انہوں نے کیا ہے ۔ وہ سراسر عداوت کا نتیجہ تھا ۔ جو ان کو احمدیت سے ہے ۔ خود ان کو تو یہ توفیق نہ ملی ۔ اور نہ ان مشائخ ہند کو توفیق ملی ۔ جن کا جلسہ کر کے وہ تار دینا چاہتے تھے ۔ کہ اس جلسہ میں شامل ہوتے ۔ اور صوفی ازم کے کمالات پیش کرتے ۔ لیکن جب اسلام کی حقیقی خادم جماعت نے تصوف کی حقیقت کو مغربی دنیا کے سامنے پیش کیا ۔ تو انہیں حسد و عداوت کی آگ نے بے قرار کر دیا ۔ اور یہ باسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام کہنے والے صوفی گالیوں پر اتر آئے ۔ خواجہ حسن نظامی صاحب حافظ روشن علی صاحب کے علم و فضل کا جلوں میں ایسا مشاہدہ کر چکے تھے ۔ کہ ان کی تقریر کے بعد تقریر نہ کر سکے ۔ اور قرآن مجید کے حقائق و معارف (جو انہوں نے بیان کئے تھے) سن کر دنگ اور حیران تھے ۔ اور انہیں ہمت نہ پڑتی تھی ۔ کہ ان کی موجودگی میں کوئی تقریر کریں ۔ اس لئے ان کی مدح و ثنا کر کے بیٹھ گئے ۔ آج اسی عالم قرآن کو دشمن تصوف بتایا جاتا ہے ۔ بیشک وہ ان تصوفیات کا قائل نہیں ۔ جن کو حقیقی تصوف سے کوئی تعلق نہیں ۔ اور وہ کوئی نئے صوفی نہیں ۔ بلکہ ان کے خاندان کی عزت و احترام ایک صوفی خاندان ہونے کی حیثیت سے آج سے نہیں ۔ بلکہ بابر بادشاہ کے عہد سے چلی آئی ہے ۔ جب اس خاندان کے بزرگ اور فرقہ نوشاہیہ کے بانی حضرت نوشہ آئے تھے ۔ اور جو نویں پشت میں حافظ روشن علی صاحب کے دادا ہیں ۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کو یہ غالباً معلوم نہیں ہو گا ۔ بہرحال ان کی تحریر کا جواب تو کسی دوسرے موقعہ پر دیا جائے گا ۔ یعالعرف ۔

یہ بتانا تھا۔ کہ حافظ صاحب کے لیکچر کو بند کرانے کے لئے سات ہزار میل کے فاصلہ پر خواجہ حسن نظامی نے زور لگایا۔ مگر اس احمدی صوفی کے مقابلہ میں اس کو پوری ناکامی ہوئی۔ اور یہ خدا کا فعل ہے۔ لنڈن پریس بھی اس لیکچر کی دلچسپی کا اظہار کرتا ہے

چاء کی دعوت

۲۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو جب حضرت کا لیکچر نہایت کامیابی سے ہو چکا۔ تو واپسی پر ایک آئرلینڈ لیڈی مسز بین نے حضرت کو چاء کی دعوت دی۔ اور اس کیلئے آج کا ہی دن مقرر تھا۔ حضرت نے اپنی مصروفیت کا اظہار کیا۔ کہ فرصت بالکل نہیں ہوتی۔ اس لئے میں وقت مقرر نہیں کر سکتا لیکن چونکہ اسکی درخواست اخلاص پر مبنی تھی۔ آپ اسکو رد بھی نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ بار بار درخواست کر رہی تھی۔ آخر اس نے عرض کیا کہ آپ تین اور پانچ بجے کے درمیان جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں اور اپنی جماعت کو بھی ساتھ لائیں۔ حضرت نے اس طریق کو منظور فرما لیا۔ چنانچہ آپ معہ جماعت کے وہاں تشریف لے گئے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء یوم جمعہ

آج صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ کل ۲۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کو سکریٹری ایمپائر ریلیجس کانفرنس نے خواہش کی۔ کہ حضور پلیٹ فارم پر معہ اپنی جماعت کے تشریف لے چلیں۔ چنانچہ جب حضور وہاں تشریف لے گئے۔ تو حضور کو اس مقام پر کھڑا کیا گیا۔ جہاں سے آپ نے حاضرین کو ایڈریس کیا تھا۔ اور باقی احباب میں سے بعض کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور بعض کھڑے رہے۔ سکرٹری کانفرنس بھی ہمارے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ فوٹو گرافر نے ایک فوٹو لے کر دوسرا اور لینے کی درخواست کی۔ مگر اس حالت میں کہ احباب حضرت سے باتیں کرتے ہوں۔ چونکہ یہ ایک قسم کا تکلف تھا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اس لئے حضرت کی طرف سے سکرٹری کو کہا گیا۔ کہ ہم ایکٹ نہیں کر سکتے۔ اور اس نے فوٹو گرافر کو کہا۔ کہ نمائش اور تکلف نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا اثر قدرتی طور پر سب پر پڑا۔ فوٹو گرافر جس نے یہ خواہش کی تھی بہت متاثر ہوا۔ غرض فوٹو لیا گیا۔ اور پھر حضور وہاں سے مکان پر تشریف لے آگئے۔ اور نماز جمعہ وعصر پڑھائی۔ چونکہ آج رات ہی کو آپ کا ایک پولیٹیکل لیکچر ہونے والا تھا۔ آپ اس کے بعد مضمون لکھنے میں مصروف ہوگئے۔ اور حافظ صاحب۔ مولوی محمد دین صاحب اور خاکسار کو حکم دیا۔ کہ ہم کانفرنس کے جلسہ میں چلے جاویں۔ چنانچہ ہم وہاں چلے گئے۔ ہم کو ٹھیک سات بجے واپس پہونچ جانے کا حکم تھا۔ ہم وقت مقررہ پر پہونچ گئے۔ اور کھانا کھا کر کنسرو ٹیو پارٹی کی درخواست کے موافق لیکچر دینے کے لئے روانہ ہوگئے۔ حضرت معہ بعض خدام بذریعہ موٹر تشریف لے گئے۔ اور باقی خدام بذریعہ ریل۔

۲۷ ستمبر ۱۹۲۴ء کو لیڈی بر انفیلڈ نے حضرت اقدس و حافظ روشن علی صاحب اور کانفرنس کے جملہ ڈیلیگیشن اور کارکنوں کو معہ دوسرے معززین کے دعوت پر بلایا تھا۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔

۲۹ ستمبر ۱۹۲۴ء یوم دوشنبہ

آج ہندوستان کی ڈاک آئی ہے حضرت کا بہت سا وقت اسی میں صرف ہوا۔ اور شام کو ۵ بجے مشرقی افریقہ کی اقوام کے مذاہب پر لیکچر سننے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس جلسہ کے صدر مسٹر ڈی۔ ایس۔ ڈنلپ کی تقریر کو آپ نے فن تقریر کی حیثیت سے بہت پسند کیا۔

کانفرنس کا اجلاس ختم ہونے کے بعد مسٹر ڈنلپ کو سکریٹری کانفرنس نے حضرت سے ملایا۔ اور مختلف لوگ بھی آ کر ملتے رہے کانفرنس کے اجلاس میں حضرت کا تشریف لے جانا لوگوں میں ایک دلچسپی اور حرکت پیدا کر دیتا ہے۔ آنکھیں ادھر اٹھ جاتی ہیں۔ اور جہاں کھڑے ہوں۔ وہاں ایک حلقہ بن جاتا ہے۔

مصافحہ نہ کرنے کی تحریک عام ہو رہی ہے

کانفرنس کے ہال میں حضرت کھڑے تھے۔ کہ ایک لیڈی بڑے اخلاص کے ساتھ آگے بڑھی۔ اور اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر جلدی اسے یاد آ گیا۔ کہ حضرت مصافحہ نہیں کرتے۔ اس نے اس پر معذرت کی۔ کہ مجھے یاد نہ رہا تھا۔ اکثر عورتوں کو یہ معلوم ہو گیا ہے۔ اور ان کے ذریعہ مشہور ہو گیا ہے۔ کہ حضرت اور آپ کی جماعت مصافحہ نہیں کرتی ہے پہلے پہل وہ اس فعل کو اپنے نقطہ نظر سے خلاف تہذیب سمجھتی تھیں۔ مگر اب ان کا نقطہ نگاہ بدل رہا ہے۔ اور وہ اسے اعلیٰ درجے کی پاکیزگی اور اخلاقی عظمت سمجھتی ہیں۔ اسکی جگہ اب وہ ادب اور احترام سے پیش آتی ہیں۔ یعنی جب حضرت کے سامنے آتی ہیں۔ تو جھکتی ہیں۔ اس قسم کا جھکنا ہمیشہ بڑے اور مقدس آدمیوں سے مخصوص ہوتا ہے۔ جو لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ مصافحہ کے بغیر انگلستان میں نہیں رہا جا سکتا ان کیلئے یہ ایک سبق ہوگا۔ بہرحال خدا کے فضل سے اسلام کی پاکیزہ تعلیم کی اشاعت حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ سے انگلستان میں شروع ہو گئی ہے۔ اور لوگ اسے عزت و احترام سے دیکھ رہے ہیں جس نفرت کا خوف دلایا جاتا تھا۔ خدا نے اسے دور کر دیا ہے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۲۴ء یوم سہ شنبہ

صبح کو حضرت صاحب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور چودہری علی محمد صاحب کو ساتھ لے کر بعض ضروری اشیاء اور کچھ کتابیں لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور ساڑھے تین بجے کے قریب واپس ہوئے۔ بے وقت کھانا کھانے کی وجہ سے طبیعت خراب ہو گئی۔ اور سردی محسوس ہونے لگی۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و رحم سے اس قائد اعظم کو کامل صحت و قوت عطاء فرمائے۔ تا وہ دنیا کی اصلاح کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کر سکے۔ آمین

لنڈن ریویو آف ریلجنز کا اجراء

اس زبردست تحریک نے جو حضرت کی تشریف آوری کیوجہ سے لنڈن میں پیدا ہو گئی ہے۔ اس ضرورت کو ظاہر کر دیا ہے۔ کہ یہاں سے ایک ماہوار رسالہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ ایک باقاعدہ ماہوار رسالہ ریویو آف ریلجنز کے نام سے شائع ہو۔ خواہ قادیان کے رسالہ کو یہاں منتقل کر دیا جائے۔ یا یہ رسالہ اس کا لنڈن ایڈیشن ہو۔ چنانچہ اس کے لئے تمام ابتدائی مراتب طے ہو رہے ہیں اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء تک یہ رسالہ خدا کے فضل سے جاری ہو جائے گا۔

"خلافت ٹرکی اور زمیندار"

تھوڑے ہی دن ہوئے "زمیندار" نے کابل کے سفاکانہ قتل کی حمایت کرتے ہوئے جماعت احمدیہ پر ایک یہ بھی الزام لگایا تھا۔ کہ اس نے "خلافت ٹرکی کی حفاظت کیلئے کچھ نہ کیا" حالانکہ ہندوستان کے لاکھوں کروڑوں ہندو ہم وطنی کی مقتضیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کے ہم آہنگ ہو گئے تھے۔

اگر "زمیندار" اور اسکے ہم خیال لوگ ہندوؤں کی ہم آہنگی سے فائدہ اٹھا کر "خلافت ٹرکی" کو نہ صرف قائم و برقرار رکھ سکتے۔ بلکہ اس کیلئے حسب خواہش دنیاوی طاقت اور شوکت بھی مہیا کر لیتے۔ تو ایک بات تھی۔ لیکن جبکہ انکے رونے پیٹنے اور چیخنے چلانے کے باوجود "خلافت" کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ اور انہی لوگوں نے مٹا دیا جنہیں خلافت کے محافظ قرار دیا جاتا تھا۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کس منہ سے "خلافت ٹرکی" کے متعلق اپنی تگ و دو کا ذکر کیا جاتا اور اس سے الگ رہنے والوں کو مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ "خلافت ٹرکی" کا یہ حسرت ناک انجام تو ظاہر کرتا ہے۔ کہ جو لوگ اسکی حمایت میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ بالکل غلط راستہ پر چل رہے تھے۔ کیونکہ اس نام کی خلافت کے خاتمہ کا وقت آ گیا تھا۔ جو ہندوستان کے لاکھوں کروڑوں ہندوؤں کی ہم آہنگی کے باوجود بھی ٹل نہ سکا۔ لیکن جن دوربین نگاہوں کو وہ سب کچھ نظر آ رہا تھا جو "زمیندار" وغیرہ نے اب دیکھا ہے۔ وہ کیونکر خلافت ٹرکی کی حمایت کیلئے کھڑے ہو سکتے تھے۔ اور اس وجہ سے ان پر کس طرح الزام لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن باوجود اسکے اگر جماعت احمدیہ خلافت ٹرکی کی حمایت نہ کرنے کی وجہ سے قابل الزام ہے۔ تو مصطفےٰ کمال پاشا اور ان کی سلطنت کے ارکان کو "زمیندار" کیا سمجھتا ہے۔ جن کا خلافت کے متعلق رویہ خود زمیندار نے یہ بیان کیا ہے۔

"جب سے ترکوں نے خلافت کو منسوخ کیا۔ اور خلیفہ کو معزول کر دیا۔ وہ بہت گستاخ ہو گئے ہیں۔ انکی اپنی مملکت میں کوئی شخص خلافت کا نام لیتا ہے۔ تو حوالات میں بھیجدیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی مجلس خلافت وفد بھیجنا چاہتی ہے۔ تو ترک پروانہ راہداری دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جو خلافت کو نہ مانیں۔ بھلا وہ مجلس خلافت کو کیا جانیں لیکن ہندوستان کے مسلمان ہیں۔ کہ ترکوں ہی سے لپٹے جاتے ہیں۔ اس رضا و تسلیم کے کیا کہنے" (زمیندار ۱۳ اکتوبر)

کیا "خلافت کی حفاظت" میں حصہ نہ لینے کا الزام "زمیندار" نے جماعت احمدیہ پر لگایا تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ

قومی کریکٹر کی اہمیت اور ضرورت

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء بمقام پٹنی (لنڈن)

(نوشتہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

حسب معمول سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

چھوٹے واقعات کا عظیم الشان اثر

دنیا میں جس قدر اثر ان اعمال کا ہوتا ہے جو کسی قوم کا خاصہ ہوتے ہیں گو وہ کیسے ہی ادنیٰ اور چھوٹے کیوں نہ ہوں) اتنا اثر ان عظیم الشان واقعات اور حالات کا نہیں ہوتا۔ جو اس قوم کے افراد سے متعلق ہوں۔ قوموں کی ترقی اور تباہی کے اسباب قطعاً بڑے واقعات میں نہیں ملیں گے۔ بلکہ جب ہم تحقیق کریں گے۔ تو ان کی ترقی اور تنزل کے اسباب بالکل چھوٹے واقعات میں ملیں گے۔ جو قومی حیثیت اور اثر رکھتے ہوں گے۔ انگلستان ہی کو دیکھو اسکی دنیوی ترقی اور مذہبی تنزل کے موجبات کو اگر دیکھا جائے۔ تو یہ دونوں باتیں قطعاً عظیم الشان واقعات سے وابستہ نہ ہوں گی۔

انگلستان کے عروج کا سبب

انگلستان کی ترقی اور عروج ٹریفالگر یا واٹرلو کی فتح سے متعلق نہیں۔ بلکہ انگریزی قوم کے اخلاق اور تمدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور عظیم الشان فتوحات بھی انہیں اسباب کا نتیجہ ہیں۔ گویا انگلستان واٹرلو یا ٹریفالگر کی وجہ سے نہیں بنا۔ بلکہ خود ان کی شان انگلستان کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح یورپ کے لوگوں نے اگر مذہب کو چھوڑ دیا ہے تو اس کی جڑ یہ نہیں ہوگی۔ کہ انہوں نے بعض بڑے بڑے احکام اور قوانین مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ بلکہ اس کی جڑ بھی محض قومی اخلاق نظر آئیں گے۔ عیسائیت کے سب سے بڑے مسائل تثلیث اور کفارہ ہیں۔ اور یہ ایسے احمقانہ مسائل ہیں۔ کہ کوئی شخص جو کسی قسم کے تعصبات کے نیچے دبا ہوا نہیں۔ اگر علیحدہ ذرا بھی فکر کریگا۔ تو اس کے عقلی قویٰ ان مسائل کو تسلیم کرنے کے لئے طیار نہیں ہوں گے۔ اور وہ ان کو سراسر لغو اور غلط یقین کرے گا۔ مگر باوجود اس کے عیسائیت کا تنزل ان مسائل کے لغو یا غلط ہونے سے نہیں۔ حالانکہ یہ قابل نفرت و انکار ہیں۔ بلکہ عیسائیت کے تنزل کی وجہ باریک اور چھوٹے مسائل اور بعض قومی حالات و اثرات ہیں۔

انگلستان کے مذہب سے دور ہونے کی وجہ

انگلستان کی حریت کی روح مذہب نہیں ہے۔ کوئی قوم مذہب کو قبول کرتے ہوئے آزاد نہیں ہوتی۔ یہ روح اولاً پوپ کے مقابلہ میں آئی اور بعض مذہبی اختلاف پیدا ہو کر اس کی اطاعت سے جدا ہوئے۔ اور اس علیحدگی کی روح نے آہستہ آہستہ نشوونما پایا۔ اور پھر آزادی کی روح پیدا ہونے لگی۔ اور حالات نے دوسری صورت اختیار کی۔ مثلاً ایک شخص نے کوئی ایجاد کی۔ کسی ایجاد کو مذہب سے کیا تعلق مگر پادریوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اگر اسے قبول کرو گے۔ تو مذہب سے نکل جاؤ گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مخالفت اور کشمکش میں مذہب سے دور ہوتے چلے گئے کسی جگہ اباحت نے مذہب سے دور کر دیا۔ مباحثات اور عقلی باتوں نے ان کو مذہب سے دور نہیں کیا ہے۔ تمام یورپ کے حالات کا اگر غور سے مطالعہ کریں۔ تو یہی حالت نظر آئے گی سلاس کو دیکھو کہ وہاں کیا حالت ہے۔ کیا یہ حالت فلسفہ نے پیدا کر دی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سچ یہ ہے۔ کہ فلسفہ خود اسی حالت سے پیدا ہوا ہے اصل بات یہی ہے۔ کہ قومی حالات قومی ترقی یا تنزل پر اثر ڈالتے ہیں۔ اور یہ حالت افراد کے بعض معمولی افعال سے شروع ہوتی ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ قومی عادت ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کا اثر قوم کی ترقی یا تنزل پر ہوتا ہے۔ عام لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے بلکہ ان باتوں کو حقیر سمجھتے ہیں لیکن علم النفس (سائیکالوجی) نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ کہ چھوٹی سی بات کس طرح بڑی بن جاتی ہے۔ اور اس کے اثرات قوم کے عروج و زوال پر کس طرح پڑتے ہیں یہ صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔

مذہبی احکام سے لاپرواہی

میں نے ایک زمانہ میں دیکھا ہے۔ کہ اسلام کے بعض احکام کو کسی طرح نظر انداز کیا جاتا ہے؟ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔ کہ فلاں بات کا اسلام سے کیا تعلق؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص آپ کے سلسلہ میں داخل ہوا۔ کسی نے کہا کہ ڈاڑھی منڈھی ہوئی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب اس نے میری بیعت کی ہے تو جب مجھکو دیکھتا ہے کہ میں نے ڈاڑھی رکھی ہوئی ہے۔ تو وہ بھی رکھ لیگا مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے موقعہ پر حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے ارادہ کیا ہے۔ کہ اخلاق پر کتاب لکھوں۔ پھر جو شخص اس کے مطابق عمل نہ کرے۔ اس کو خارج کر دوں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ قوم افراد کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اگر افراد کے اخلاق اور عادات درست نہ ہوں تو قومی کریکٹر نہیں بنے گا۔ اور جب تک قومی کریکٹر درست نہ ہو قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

ہم کیونکر ترقی کر سکتے ہیں

میں یقیناً جانتا ہوں۔ اور قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب و وجوہات پر غور کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ اگر ہم اپنا قومی کریکٹر نہ بنا دینگے۔ تو ہماری ترقی نہ ہوگی۔ اور ہماری مثال ایسی ہی ہوگی۔ جیسے آگ کے ذریعہ سے ایک جوش اور ابال پیدا ہوتا ہے۔ اور جب آگ بجھ جاتی ہے۔ تو وہ جوش بھی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس پانی کی حرارت بھی دور ہو کر وہ سرد کا سرد رہ جاتا ہے۔ قومی زندگی کے لئے ایسی آگ کی ضرورت ہے۔ جو باہر سے نہیں بلکہ اندر سے پیدا ہو۔ اور وہ بائلر کی طرح کام کرتی ہے۔ تب قوموں کی زندگی قائم رہتی ہے۔ پس جب تک ہمارے اندر ایسی حرارت اور آگ پیدا نہ ہو۔ ہم زندہ قوم بننے کی توقع نہیں کر سکتے۔

نقطہ نگاہ کی تبدیلی کا اثر

ایک اور بات قابل غور ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نقطہ نگاہ کے بدلنے سے ایک چیز کی صورت بدل جاتی ہے۔ شکل بنانے والی چیز وہ نقطہ نگاہ ہے۔ مثلاً ماں باپ کا احسان ہے۔ ایک نقطہ نگاہ کی وجہ سے احسان کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ہمارے وجود کا باعث ہوئے۔ اور انہوں نے خبر گیری کی اور ہمارے لئے تکلیفیں اٹھائیں۔ یہ ان کا احسان ہے۔ اور ان کی عزت و احترام کرنا چاہیئے۔ لیکن ایک شخص اس نقطہ نگاہ کو بدل لیتا ہے۔ اور اس کام کو اور واقعات کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ ان کی غرض کیا تھی؟ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ماں باپ کا کیا احسان ہے؟ انہوں نے جو کچھ کیا اپنی شہوانی اغراض کے لئے کیا۔ اب غور کرو کہ ایک نقطہ نگاہ کے بدلنے سے کیا صورت تبدیل ہو گئی۔ غرض نقطہ نگاہ بدلنے سے شکل بدل جاتی ہے۔ یہی حال مذہب کی تعلیمات اور احکام کا ہے۔ ایک نقطہ نگاہ سے ایک فعل مذہب کا جزو اور ضروری جزو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے بدل دیا جاوے تو غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ پس نقطہ نگاہ کو کبھی ہاتھ سے نہ دو۔ مجھے اس نقطہ نگاہ پر ایک کہانی یاد آ گئی۔ ایک شخص تھا جو بڑا بہادر بنا ہوا تھا۔ وہ ایک گودنے والے کے پاس گیا۔ اور اسے کہا کہ میری پیٹھ پر شیر کی تصویر گود دو اس نے جب شیر کی دم بنانی چاہی تو اسے تکلیف ہونے لگی۔ اس سے پوچھا کہ کیا بنا رہے ہو اس نے کہا دم۔ اس پر اس نے سوال کیا۔ کہ کیا بغیر دم کے شیر نہیں ہوتا۔ اس نے کہا کہ کیوں نہیں۔ تو کہا اچھا دم رہنے دو۔ اسی طرح ہر عضو پر وہ کہہ دیتا اور اسے چھوڑواد دیتا رہا۔ آخر کچھ بھی نہ بنا۔ یہ سب کچھ ایک نقطہ نگاہ کی نذر ہو گیا۔ وہ نقطہ کیا تھا؟ کہ درد نہ ہو جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شیر نہ بن سکا۔ بعینہٖ یہی حالت مذہب کی ہے۔ انسان سمجھ لیتا ہے۔ کہ اس چیز کے بغیر کیا مذہب باقی نہیں رہتا؟ یہ بہت معمولی اور چھوٹی سی بات ہے۔ جیسے بعض بیباک کہدیتے ہیں۔ کہ کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہ گیا۔

مذہب کا کوئی چھوٹا حکم بھی غیر ضروری نہیں

وہ سمجھتا ہے کہ ایک چلو ہے۔ اور ایک چلو میں ایمان نہیں بہ جائے گا۔

مگر وہ اتنا نہیں سوچتا کہ یہ ایک جگہ نہیں رہے گا۔ بلکہ بہت بڑھ جائیگا کیونکہ انسان ایک مقام پر نہیں ٹھیر جائے گا۔ یہ خیال بالکل غلط اور ہلاک کرنے والا خیال ہے۔ کہ مذہب کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی غیر ضروری سمجھ لیا جائے۔ انسان کی صحت کا سوال لو۔ اگر اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ اس چھوٹی سی بد پرہیزی اور حفظ صحت کے قانون سے بے پرواہی کا کوئی یہ نتیجہ تو نہیں ہوگا کہ ہلاک ہو جاؤں گا۔ اس لئے اس کی پرواہ نہ کرو اس طرح پر وہ تھوڑی سی علالت نہ رہے گی۔ بلکہ رفتہ رفتہ اپنی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھیگا۔ اس کا باعث وہی ابتدائی بے پرواہی ہوگی۔ یہی حال روحانیات اور مذہب کا ہے۔ ابتداً انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کو غیر ضروری سمجھتا ہے۔ اور یقین کر لیتا ہے۔ کہ یہ معمولی بات ہے۔ اس کا مذہب کے اصولوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر وہ اس پر نہیں رہتا۔ اور آخر مذہب سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ اور خود اس کی اس حالت کا اثر قومی ترقی پر پڑتا ہے۔

چھوٹی چیزوں کو بڑا بنانا

میں نے یہاں انگلستان میں دیکھا ہے۔ کہ قد بڑے ہوتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں کے قد بڑے قابل رشک ہیں۔ ہزار ہا ہزار عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئی ہیں۔ مگر ان میں ایسی قد آور نہیں تھیں۔ یہاں جو اتنے بڑے قد ہو گئے ہیں۔ یہ کسی دوائی کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حفظان صحت کے اصول کی پابندی کا اُن کے کاموں کا نتیجہ ہے۔ آدمی کے قد کا کیا ذکر ہے۔ یہاں سبزیوں کے قد بڑھا لئے گئے ہیں۔ شلجم اور کدو اتنے بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ کہ بعض ایک ایک من کے ہوتے ہیں میں نے انگلستان اور امریکہ کی زراعت پر کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس طرح یہ ڈویلپمنٹ کر کے چھوٹی چیزوں کو بڑی بنا لیتے ہیں۔ یہ مشاہدات اور تجربے ہم کو کیا بتاتے ہیں؟ یہی کہ چھوٹی چیزیں بڑی بن جاتی ہیں یہی قانون قومی اخلاق کے متعلق ہے۔ اور چھوٹی چیزوں سے بڑے نتائج یقیناً نکلتے ہیں۔

قومی کریکٹر کا اعلیٰ ہونا

پس اگر قوم زندہ رہنا چاہتی ہے۔ تو اس کا پہلا کام یہ ہے۔ کہ اس کا قومی کریکٹر اعلیٰ اور مضبوط ہو۔ نفسی اخلاق پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اور وہ نظر نہیں آتے۔ مگر قومی کریکٹر کا عام مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس قومی کریکٹر میں بعض عادات ہوتی ہیں۔ بعض لباس کی صورتیں ہوتی ہیں۔ پھر یہ عادتیں اور لباس بطور گڑ کے ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس ملک کا یہ قومی کریکٹر ہے۔ کہ کوئی کام ہو اس میں ترتیب کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ ہر موقعہ پر اس کو مد نظر رکھیں گے۔ سٹیشن پر جائیں یا کسی اور جگہ وہ دھکا دے کر آگے نہ بڑھیں گے۔ بلکہ جیسے جیسے آتے ہیں اپنی جگہ پر کھڑے رہیں گے۔ کیسی ہی ضرورت ہو عجلت ہو مگر ترتیب کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ اس ترتیب کا نتیجہ کیا ہے؟ تمام کام عمدگی سے ہو جاتے ہیں۔ اور کسی کو کوئی تکلیف اور گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ یہی حال حکومت کا ہے۔ لبرل اور کنسرویٹو اپنے پولیٹیکل اصول کے لحاظ سے ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں۔ لیکن جب ایک پارٹی برسر کار ہو جاتی ہے۔ تو دوسری اس کی اخلاقی مدد کرتی ہے۔ اپنے مخالف فریق کی وجہ سے حکومت کو توڑنے یا ملکی قانون کے احترام کو کم کرنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ مل کر کام کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کا یہ حال نہیں ہے۔

میں خود اپنے انتظام میں دیکھتا ہوں کہ جب نیا افسر کسی صیغہ کا آتا ہے اور میں رپورٹ طلب کرتا ہوں تو وہ نئی سکیم بنانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ پہلے نے جو کام کیا تھا وہ درست نہیں تھا۔ یہ طریق کامیابی کا نہیں ہے۔ بلکہ جہالت ہے۔ اس سے قومی کریکٹر قائم نہیں ہوتا کسی کام کے جاری رکھنے میں فائدہ ہوتا ہے۔ اگر اس میں خرابی بھی ہو تو اس حصہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن روز نئی سکیم بنانے سے کام نہیں چلتا۔ سکیم محض کامیاب نہیں بنایا کرتی۔ اس انگریزی قوم کا قومی کریکٹر اس پہلو میں یہ ہے۔ کہ وہ مخالف ہونے کے باوجود بھی اس کام کو جاری رکھیں گے۔ مگر جب تک پورا تجربہ نہ ہولے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس قسم کی عادتیں قومی کریکٹر ہو جاتی ہیں۔ اور یہی چیزیں بطور جڑ کے ہوتی ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ایک نسل قومی کریکٹر نہیں بنا سکتی۔ مگر وہ بنیاد رکھ سکتی ہے۔ پھر دوسری نسل اس پر ترقی کرے گی۔ اور اسی طرح آخر ایک وقت آ جائے گا۔ کہ وہ دوسری قوموں کو اپنے اندر اس قومی کریکٹر کی طاقت سے جذب کرنے لگے گی۔ اور اگر اس کی پرواہ نہ کی جائے۔ تو رفتہ رفتہ خود دوسروں میں جذب ہو کر اپنی حقیقت اور اصلیت کو کھو دیگی۔

اسلام میں قومی کریکٹر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی بعض لوگ مرتد ہوئے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ کیونکہ قومی کریکٹر پیدا ہو گیا تھا جس قدر جھوٹے مدعیانِ نبوت شروع اسلام میں ہوئے۔ اس کے بعد نہیں ہوئے۔ پانچسو سال تک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے۔ جنہوں نے یہ بھی کہا کہ قرآن کریم منسوخ ہو گیا۔ جیسے حسن بن صباح وغیرہ ان کے جھوٹے دعووں کو بعض نے قبول کر لیا۔ اس لئے کہ ابھی قومی کریکٹر کی کمی تھی۔ لیکن جب قومی کریکٹر قائم ہو گیا۔ تو پھر ایسے مدعی بھی مٹ گئے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ اخلاص ترقی کر گیا۔ بلکہ اس کی وجہ محض قومی کریکٹر ہے۔

اہل یورپ کی قومی کریکٹر سے وابستگی

آج یورپ میں اگر دیکھا جائے۔ تو ۸۰ فیصدی لوگ عیسائیت سے بیزار ہیں۔ اور اسے ناپسند کرتے ہیں۔ مگر وہ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ اس لئے کہ ان کا قومی کریکٹر ان کو الگ نہیں ہونے دیتا۔ وہ کریکٹر ان کو دوسری جگہ نہیں ملتا۔ اور اس لئے باوجود عیسائیت کے عقائد کو غلط تسلیم کرنے کے بھی وہ اس سے الگ نہیں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قومی کریکٹر کس قدر زبردست چیز ہے۔ پس یاد رکھو کہ یہ ظاہر کی باتیں ایک دیوار ہوتی ہیں۔ جن کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ لیکن عقائد اندر کی باتیں ہیں۔ اس لئے قومی کریکٹر کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور اسے قائم رکھو۔ اگر ہم نرمی لغاظی سے کام لیں۔ اور قومی کریکٹر کی حفاظت نہ کریں۔ تو ہماری مثال اس شیر گدوانے والے بہادر کی ہوگی۔

ولائت جا کر لباس تبدیل کرنا

میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے ملک کے لوگ اس ملک میں آکر لباس تبدیل کر لیتے ہیں۔ ان کو اگر کہا جائے کہ تم ایمان سے کہو کہ کیا یہ زیادہ آرام دہ اور اچھا ہے؟ تو کہیں گے کہ ہرگز نہیں۔ پھر کیوں پہنتے ہو۔ تو یہی جواب ہوتا ہے۔ کہ لوگ ہمارے لباس پر ہنستے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہنسی تمہاری بزدلی کا نتیجہ ہے۔ کہ تم اپنی چیز کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اگر تم مضبوطی سے اپنے لباس کو نہ چھوڑتے اور اس ہنسی کی پرواہ نہ کرتے تو تھوڑے دنوں کے بعد ہنسنے والے تمہاری اخلاقی قوت اور قومی محبت کے قائل ہو جاتے مگر تم نے خود اپنے عمل سے بتا دیا کہ تمہارے اندر قوی دل نہیں بلکہ ایک ڈرپوک دل ہے۔ یاد رکھو جس قوم کے اندر ایسے افراد نہیں کہ اپنی چیز کی حفاظت کریں۔ وہ اپنے ملک۔ مذہب اور عزت کو کیا بچائیں گے؟ وہ غلام ہیں اور غلامی ان میں داخل ہو چکی ہے۔

غلامی کی بدترین مثال

روح آزاد چیز ہے اس پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ جسم پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جس کی روح پر قبضہ ہو۔ وہ غلامی کی بدترین مثال ہے۔ اور ایسا شخص اپنے جسم کو کیا بچائے گا۔ جب تک ہم یہ یقین نہ کر لیں۔ کہ ہم اپنی ذات میں اچھے ہیں۔ اور ہمارے اندر خود اعتمادی کی قوت پیدا نہ ہو۔ ہم یہ آزاد روح اپنے اندر نہیں رکھ سکتے۔

ہندوستانیوں میں حکومت کی قابلیت

مجھ سے بعض انگریزوں نے پوچھا ہے۔ کہ کیا ہندوستانی حکومت کے قابل ہیں۔ تو میں نے ان کو جواب دیا۔ کہ اگر آپ کا یہ مطلب ہے۔ کہ کیا ہندوستانی انگریزوں پر حکومت کے قابل ہیں۔ تو میرا جواب یہ ہے۔ کہ نہیں۔ اور اگر یہ مطلب ہے۔ کہ وہ ہندوستانیوں پر حکومت کر سکتے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ وہ ہندوستانیوں پر حکومت کی قابلیت رکھتے ہیں۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں پر بیشک حکومت نہیں کر سکتے۔ یہ جواب میں انگریزوں کو دیتا ہوں دوسروں کے سوال پر اس کا اور جواب ہے۔ میرا مطلب اس جواب سے یہ ہے کہ جیسے حاکم ہوں ویسی رعایا ہوگی۔ قابلیت کا سوال ہو تو ہم میں حکومت کی قابلیت ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ان لوگوں پر حکومت کرنی ہے جو ہم میں سے ہی ہیں۔

سلف گورنمنٹ کے متعلق رائے

سلف گورنمنٹ کے متعلق

میں تو کہتا ہوں۔ کہ غیروں کو آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ ہر ملک کو اپنے لوگوں پر آپ حکومت کرنی چاہئے اور وہ کر سکتا ہے لیکن جس بات سے ہم کو اختلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ اب ہم میں (ہندوستانیوں) قومی تعصبات ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ ہم امن کو نہیں قائم کر سکتے انگریز نہ آئے ہوتے تو میں کہتا ہوں کہ آپس میں لڑتے رہتے۔ گو اپنی حکومت رکھتے۔ لیکن اب حالت بدل گئی ہے۔ ہم حکومت کرنے کے عادی نہیں رہے۔ اور امن کی زیادہ ضرورت ہے۔ حکومت ایک ایسی شے ہے۔ کہ اس کے ساتھ احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر باہمی تعصبات بھی کم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو سرحد پر دوسروں کو تو قتل کر دیتے ہیں۔ مگر اپنے بھائیوں کو نہیں کریں گے۔ مثلاً اگر کوئی لکھنؤ کا آدمی ملجاوے۔ تو اس کو قتل کرنے میں دلیر ہوں گے۔ جانتے ہیں کہ اس کے بھائی بندوں اور رشتہ داروں میں سے کوئی انتقام لینے نہیں آئے گا۔ مگر اپنے ملکی آدمیوں کے متعلق یہ وہم ان کو نہیں ہو سکتا۔ غرض حکومت کے ساتھ ایک ایسا تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ حالات بدل جاتے ہیں۔ غرض جب تک قومی کریکٹر قائم نہ ہو کامیابی نہیں ہوتی۔

انگلستان میں احمدی طلباء

میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں۔ کہ ہمارے طالبعلم یہاں آکر ایسا نمونہ دکھاتے ہیں۔ کہ ہم یقیناً امید نہیں کرتے کہ وہ کوئی نتیجہ پیدا کریں۔ جو اپنے چہرہ اور سر پر اس بات کا بورڈ لگائے ہوتے ہیں۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود سچے نہیں۔ اور جس کا ہر نقشہ اس کی شہادت نہیں دیتا۔ وہ کس دیانتداری سے کہہ سکتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ یہ محض جوش اور شہوات ہیں۔ جو نظر نہیں آتے۔ بلکہ ایک ایسی کھلی چیز ہے جو سب کو نظر آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا۔ کہ دجال کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہو گا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اس کے سامنے بورڈ سے فوراً اس کی شناخت ہو جائیگی۔ کیسا عیسائیوں کے متعلق کوئی دھوکا کھا سکتا ہے۔ ان کا قومی لباس ان کو الگ کر دیتا ہے۔

انگریزوں کا لباس

ہندوستان میں یہ لوگ جاتے ہیں۔ وہاں کی گرمی میں تڑپتے ہیں۔ مگر کسی نے دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے قومی لباس کو بدل دیا ہو۔ اندر سوتے ہیں تکلیف ہوتی ہے۔ مگر اس لباس کو نہیں چھوڑتے کیوں؟ اس لباس کو قومی کریکٹر سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگوں سے میں نے بات چیت کی ہے۔ وہ کہدیتے ہیں۔ جیسا دیس ویسا بھیس یعنی جس ملک میں جائیں وہاں کا لباس اختیار کر لینا چاہئے۔ مگر یہ اصول ان کے لئے ہی ہے یا دوسروں کے لئے بھی۔ کیا انگریز دوسرے ممالک میں جا کر اپنا لباس چھوڑ دیتے ہیں؟ جیٹھ ہاڑ کی گرمیوں میں سخت اون کے ایسے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا گرمی ستاتی ہے۔ مگر اس کو نہیں چھوڑتے بلکہ اسی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو بعض اوقات بدحواس ہو کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

اور سٹیشنوں پر دیوانہ وار لڑنے لگتے ہیں۔

ڈاڑھی اور اسلام کا تعلق

تھوڑے دن ہوئے مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ڈاڑھی اور اسلام کا کیا تعلق ہے۔ میں نے جب کہا کہ کچھ نہیں تو بہت خوش ہوا۔ مگر میں نے اس کو کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا تعلق ہے۔ خدا تعالے نے فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ڈاڑھی تھی۔

بزدلی اور غلامی کی روح

یہاں کی عورتیں جب مردوں سے کہہ دیتی ہیں کہ لباس کا یہ فیشن ہے۔ تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ اتنے پونڈ سے کر جاؤ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حکم دیتا ہے۔ تو پھر ہم کیوں نہ مانیں۔

اگر ڈاڑھی رکھنے میں تکلیف بھی ہو تو کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تم اتنی بھی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ سب باتیں ہیں۔ اور دراصل بات وہی ہے کہ تمہارے اندر ایک بزدلی ہے۔ ایک غلامی کی روح ہے۔ جو تم کو ان کے قومی کریکٹر کے آگے جھکا دیتی ہے۔

ہمارا قومی کریکٹر

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھنے کے راز کو بتا دیا تھا۔ اور وہ قومی کریکٹر ہی تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایرانی ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ تم ڈاڑھیاں رکھو۔ کہ تم میں اور ان میں ایک امتیاز نظر آجاوے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اس امر کا بڑا خیال تھا۔ کہ میری جماعت ممتاز نظر آئے۔ ایک دفعہ قریباً چھ ماہ تک اس سوال پر بحث رہی کہ ایک خاص قسم کا لباس ہو یا پگڑیاں ہوں۔ یہ کس لئے صرف اس ایک امر کے لئے کہ ہمارا بھی کوئی قومی کریکٹر ہو۔ اب ہر شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ کیا دین ہے؟ دین تو نہیں مگر کیا کوئی مغز بدوں چھلکے کے رہ سکتا ہے۔ کوئی مذہب قوم کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور کوئی قوم قومی کریکٹر کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یہی ایک چیز ہے۔ جس کے ذریعہ وہ دوسروں سے ممتاز ہوتی ہے۔ اور یہی چیز ہے جو اسے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسا بورڈ ہے۔ جو اس کی قومی حیثیت اور امتیاز کی حفاظت کرتا ہے۔ پس جب تک ہم اپنے قومی کریکٹر کا لحاظ نہیں رکھیں گے۔ زندہ رہنے کے قابل نہیں۔ یاد رکھو یہ غلامی کی روح ہے۔ جو دوسروں سے ڈر کر قومی کریکٹر کو چھوڑ دیتی ہے۔

علم و حکمت حاصل کرو

تو اب سوال ہو سکتا ہے کہ کیا کوئی بات بھی ان کی نہیں لینی چاہئے۔ مگر بعض باتیں انسان قبول کر لیتا ہے۔ مگر ان کا قومی کریکٹر سے تعلق نہیں ہوتا۔ وہ علم و فن کی باتیں ہیں۔ اور ان کو لے لینا نہ صرف درست بلکہ ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن۔ حکمت مومن ہی کی گم شدہ چیز ہوتی ہے۔

وہ ہم اپنی ہی چیز لیتے ہیں۔ پس میں یہ نہیں کہتا۔ کہ دوسری قوموں سے کچھ بھی نہ لو۔ نہیں بلکہ جو چیز تم ان میں علم و حکمت کی دیکھو لے اپنی ہی چیز سمجھ کر لے لو۔ اور دیکھ لو کہ اس کا کوئی تعلق شعار مذہبی اور قومی کریکٹر سے تو نہیں ہے۔ ایک ڈاکٹر کہتا ہے کہ تم بارہ بجے تک لیٹے رہو۔ اور آرام کرو۔ تو تم کبھی نہیں کہتے کہ ساڑھے گیارہ تک کیوں نہ لیٹیں۔ یا وہ ایک دوائی کے سات قطرے کہتا ہے۔ تو کبھی نہیں کہتے کہ پانچ کیوں نہیں۔ یہ تفاصیل ہیں۔ جن کو تجربہ بتاتا ہے کہ اس قدر تعداد ضروری ہے۔ اسی طرح قومی کریکٹر کیا دلیل کا تعلق نہیں ہوتا گو وہ بے دلیل نہیں ہوتا بلکہ اس کو قومی شعار سمجھ کر اور ایک تجربہ کار معلم اور ہادی کے عمل اور حکم کے ماتحت دیکھ کر اختیار کرنا ہوتا ہے۔

ایک مثال

غرض یہ بات نہایت افسوسناک ہے۔ کہ وہ لوگ جو یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہم نے دنیا کو فتح کرنا ہے۔ جب یہاں آتے ہیں۔ تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مفتوح ہو جاتے ہیں۔

ایک لڑکا یہاں میڈیکل تعلیم کے لئے آیا تھا۔ ساتھ اس کو بڑی محبت تھی۔ خواجہ صاحب کی ایک تصویر اس نے دیکھی۔ جس میں انکی ڈاڑھی چھوٹی تھی۔ اس کو بہت ہی ناگوار گذرا اور کہا کہ میں یہاں جا کر دکھا دوں گا۔ میں نے اس کو منع کیا۔ کہ ایسے دعوے نہ کرو لیکن جب وہ آیا تو اس نے پورٹ سعید ہی میں اپنی ڈاڑھی منڈوا لی۔ جب قومی حالت یہ ہو کہ تم دوسروں کے ایسے غلام ہو جاؤ جیسے ایک کتا میم کے پیچھے چلتا ہے۔ تو پھر تم نے دنیا کو کیا فتح کرنا ہے۔ میں اپنے نفس میں سمجھتا ہوں۔ کہ جو لوگ دوسروں کے اتنے غلام ہیں۔ ان کا آزادی کا دعوے ایک خیالی دعوے ہے۔ مگر میں اپنی ذات پر اس قدر اعتماد رکھتا ہوں۔ اور یہ میرے دل میں ہے۔ کہ اگر آج ہندوستان بھی اپنے قومی کریکٹر کو مضبوطی سے پکڑ لے تو ایک دن میں آزاد ہو سکتے ہیں۔

ہندوستان کیونکر آزاد ہو سکتا ہے

ایک نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ گاندھی جی کا کام ہوا۔ میں نے کہا کہ مجھے تین لاکھ آدمی دو۔ میں خون کا ایک قطرہ بھی گرائے کے بغیر ہندوستان کو آزاد کرا دیتا ہوں۔ اور میں عدم تعاون نہیں کراؤں گا۔ بلکہ تعاون کراؤں گا۔ اگر پچاس ہزار ایسے آدمی ہوں۔ جو ملک کے لئے نوکریاں کریں۔ اور ان کا مقصد یہ ہو کہ ہم نے ملک کی خدمت کرنی ہے۔ تو وہ جھوٹی رپورٹیں نہ کریں گے۔ اور ان کی صحیح رپورٹوں کا ایسا اثر ہو گا کہ حکومت کا معاملہ ہمارے ساتھ سیدھا ہو گا۔ اور حکومت جاری ہو جائے گی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ انگریز ہم پر ہمارے اپنے لوگوں سے حکومت کرتے ہیں۔ تحصیلدار اور پولیس والے ہمارے ہی بھائی ہیں۔

روپیہ پیسہ کے لئے نوکری کرتے ہیں۔ جب ملک کی خدمت کے جذبہ سے نوکری کریں گے۔ تو حکومت غلط راستہ پر نہیں جائے گی۔ ایسے لوگ جو ملک کی خدمت کے لئے نوکری اور تعاون کریں گے۔ اگر ایک شخص ان میں سے نکالے بھی جائیں تو سب کو نہیں نکالا جاسکتا۔

دماغی آزادی

غرض آزادی دنیا میں دماغی آزادی ہی ہے۔ اگر دماغی آزادی نہیں تو پھر بدترین غلامی ہے۔ ہم عقل سے انصاف اور دیانت سے تعاون کرتے ہیں۔ اور بہترین چیز کو لینا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مگر ہماری جماعت کے لئے یہ شرم کی بات ہوگی۔ کہ ہم محض اس خیال سے کہ دوسرے ہمارے لباس پر ہنستے ہیں۔ اپنا قومی لباس چھوڑ دیں۔ ان چھوٹی باتوں سے جن کی بظاہر عقلی حقیقت کچھ نہ ہو۔ بڑے بڑے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص جب چہرہ اور سر کو دیکھے گا کہ اس پر اسلامی نشان نہیں۔ تو وہ اسی نتیجہ میں حق پر ہوگا۔ کہ اس کو اسلام سے تعلق نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص صدق دل سے سمجھتا ہے۔ کہ میرا مذہب سچا ہے۔ تو وہ اپنے عمل میں بھی ثابت کرے گا۔ خواہ وہ عمل کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔

کتے کی طرح پیچھے مت چلو

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنے میں کیا فائدہ ہے۔ یا ہیٹ پہننے میں کیا حرج ہے؟ میں اسکے فوائد بھی بتا سکتا ہوں۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ سوال دوسری طرح اس پر بھی تو ہوتا ہے۔ کہ نہ رکھنے میں کیا فائدہ ہے۔ اور ٹوپی نہ پہننے میں کیا نقصان ہے۔ ان باتوں کو صحیح نقطۂ نگاہ سے دیکھو۔ اور وہ ہمارا قومی کریکٹر ہے۔ پس قومی کریکٹر کو قائم رکھو۔ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کتے کی طرح پیچھے چلتے ہو۔

کریکٹر میں نقل نہیں ہوتی

اس کو خوب یاد رکھو کہ نقل علم میں ہوتی ہے۔ کریکٹر میں نہیں ہوتی۔ اور وہ نقل جو علم میں ہوتی ہے۔ غلامی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا نام اڈاپٹیشن ہوتا ہے اور یہ اڈاپٹیشن تدریجی ہوتا ہے۔ غلامی کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ واقعات کے باریک اثر کے ماتحت ہوتا ہے۔ اسلام تم کو ہر قسم کی غلامی اور بدترین غلامی جو دماغی غلامی ہوتی ہے۔ اس سے نجات دیتا ہے۔ اگر تم اپنے قومی کریکٹر کو مضبوط رکھو تو تم دنیا کو نہ صرف فتح کر سکتے ہو۔ بلکہ انشاء اللہ اس غلامی سے نجات دلا سکتے ہو۔ میں نہایت افسوس اور تکلیف سے کہتا ہوں۔ کہ یہاں آنے والوں نے مبلغ سے لے کر نیچے تک یہ غلطی کی ہے کہ عورتوں سے مصافحہ کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں کیا۔ پھر کیا تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو۔ میں جب اس کا خیال کرتا ہوں۔ تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ سوال لاکا ہے آیا یہ جائز ہے۔ یا نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو مبادی کے انتہائی نقطہ تک پہنچ جائیں۔ اور ان پر اثر نہ ہو۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو اس سے بھی آگے ہوں۔ کہ وہ ایک جگہ لیٹے ہوئے ہوں۔ پھر بھی پاک ہوں۔ بلکہ اس سے آگے جا کر بھی ان کے قلب متاثر نہ ہوں۔ یہ ممکن ہے۔ لیکن ان کی مثال دوسروں کے لئے نہیں ہو سکتی۔ ہم قانون کو دیکھیں گے کہ وہ کیا حکم دیتا ہے۔

قانون کی پابندی ضروری ہے

شریعت کمزوروں کا خیال رکھتی ہے۔ اور وہ عام قانون دیتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ممکن تھا دست کار دول یہ یا د کے ماتحت نماز روزہ ترک کر دیا جاتا۔ اور ایسے لوگ ہو سکتے تھے۔ کہ فی الحقیقت دنیا کی کوئی مصروفیت ان کو اپنے مولیٰ سے الگ نہ کر سکتی۔ مگر یہ نماز روزہ اور ظاہری احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ساقط نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ ایک قانون عمومی تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس کی فضیلت نماز روزہ سے نہیں۔ اور ہم نے تو یہ تجربہ کیا ہے کہ بعض وقت ایک مرتبہ کی تسبیح ۱۵ سال کی عبادت سے بڑھ جاتی ہے۔ مگر ایسی تسبیح والے کو بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ورنہ دوسرے بھی چھوڑ دیں گے۔ پس یاد رکھو اور خوب یاد رکھو۔ کہ یہ احکام بظاہر چھوٹے ہوں۔ مگر ان کے اثرات بہت بڑے ہوتے ہیں۔ مصافحہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا ہے۔ کہ ہو سکتا ہے اس سے بھی بڑھ کر مبادی ہوں۔ مگر قلبی اثر نہ ہو۔ جب کہ روکنے کا حکم دیا ہے۔ مگر مصافحہ سے کیوں منع کیا؟ اس لئے کہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہو۔ اعمال صرف کو سلے ہوتے ہیں۔ حقیقت ان کے اندر نہیں ہوتی۔ یہ خود روحانی پاکیزگی نہیں۔ مگر اس کا اثر روحانی پاکیزگی پر پڑتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بعض ارواح ان آلات سے متاثر نہیں ہوتی ہیں۔ مگر یہ قانون نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے باوجود متاثر نہ ہونے کے بھی قانون کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں کی جا سکتیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ نیک آدمی مصافحہ کر کے بھی نیک رہ سکتے ہیں۔ اور ان کی روحانی حالت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ میں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کہا ہے۔ مگر ہر شخص ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ایسے لوگوں کا بھی قانون شریعت نے کوئی استثنا کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے دوسرے احکام ہیں۔ مثلاً جس جانور کے ذبح پر خدا کا نام نہ لیا جائے۔ وہ کھانا نہیں چاہئے۔ مگر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس معاملہ میں مبلغوں نے اور دوسروں نے بھی غلطی کھائی ہے۔ ایسی باتوں سے دین کی تحقیر ہو جاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیں۔ کہ قومی طور پر ہم ایک چٹان ہیں جو کسی چیز سے جنبش نہیں کھا سکتے۔

انفرادی اور قومی گناہ

میرا یہ مطلب نہیں کہ انفرادی طور پر اجازت دے رہا ہوں ہرگز نہیں۔ قوم افراد کا مجموعہ ہوتی ہے اور افراد کے افعال و اعمال آخر قومی اعمال بن جاتے ہیں۔ دنیا میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک ڈھیلے، دوسرے عمیق۔ افراد کے گناہ اس قسم میں داخل ہیں۔ ان کا اثر گہرا ہوتا ہے چوری یا ڈاکہ کچھ شک نہیں۔ افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر وہ اتنے گہرے جاتے ہیں۔ کہ بالآخر قوم کو تباہ کر دیتے ہیں۔ مگر قومی گناہ پھیلاؤ میں زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کا اثر دل پر کم پڑتا ہے۔ مگر وہ دریا کے پاٹ کی طرح پھیل جاتے ہیں۔ پھر اس نتیجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے ذریعہ سے کوئی گمراہ ہوا اس پر بھی اس کا اثر ہوتا، اثر پڑھ جاتا ہے۔

جب تک ہمارے طالب علم اپنے لباس۔ اپنے چہرہ اور اپنے کھانے پینے کی احتیاط سے ثابت نہ کر دیں۔ کہ وہ احمدی ہیں۔ اور یہ ان کا قومی کریکٹر ہے۔ اس وقت تک کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ دیکھو ہندوستان میں ہر جگہ احمدی کو شناخت کر لیتے ہیں تعلیم یافتہ لوگ اپنے طبقہ کے احمدیوں کو ڈاڑھیاں رکھنے اور نمازوں کی پابندی سے پہچان لیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بھی احمدیوں کے چال چلن اور طرز عمل سے ان کو جھٹ پہچان لیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں بھی یہی بات ہو۔ ابھی تک یہاں یہ بات نہیں۔ کہ احمدی ہندوستانیوں یا دوسروں سے ممتاز ہوں۔ جب ایسا ہوگا۔ خود بخود لوگوں کو نہ صرف توجہ ہوگی۔ بلکہ وہ عزت کریں گے۔ جب وہ ان کو دیکھیں گے کہ اپنے قومی کریکٹر میں مضبوط ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس لباس میں ہم پر ہنستے ہیں میں تو کہتا ہوں کہ اگر اینٹ پتھر بھی ماریں تب بھی ان کو اس پر قائم رہنا چاہئے۔ جب وہ اس پر قائم رہیں گے تو لوگ خود تسلیم کر لیں گے۔ کہ یہ غلام نہیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔

تنبیہ

میں نے ان حالات کو دیکھ کر یہ ارادہ کیا ہے۔ کہ ایک سال تک پراپیگنڈہ کروں۔ اور ایک سال کے بعد اگر کسی کو دیکھوں کہ وہ عمل نہیں کرتا۔ تو اس کے متعلق اعلان کر دوں کہ وہ ہمارے سے تعلق نہیں رکھتا۔

میں نے کہا ہے کہ حضرت صاحب نے بھی ایسا ارادہ کیا تھا۔ جبکہ ایک شخص جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آپ کی بیعت میں داخل ہوا۔ اور کسی کے سوال کرنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ میری ڈاڑھی دیکھ کر رکھ لیگا۔ غرض میں نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ ایک سال تک پراپیگنڈہ کروں۔ چونکہ بعض شائد کمزور ہوں۔ اور عملی قدم اٹھانے کے لئے ابھی تیار نہ ہوں۔ میں نے ایک سال کا موقعہ دیا ہے۔ میں یہاں والوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ آنے والوں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنیں۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے۔ کہ یہاں سے جانے والے آنے والوں کو کہتے ہیں کہ اس کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ میں دردمندانہ طور پر کہتا ہوں (اللہ ارسے شفقت و ہمدردی عرفانی) کہ تم اپنے عمل سے نمونہ دکھاؤ کہ تم ڈرتے نہیں۔ تم میں ہمت اور جرأت ہے۔ ہنسی کی یار کی بھی تم پرواہ نہیں کرتے اور پھر اس حالت میں تم لوگوں کو لیڈ کر سکتے ہو۔ پس ہمت بلند کرو اور اپنے نمونہ سے امتیاز قائم کرو اور آنے والوں کے لئے نمونہ بنو نہ کہ ٹھوکر کا موجب۔ اب تک یہ حالت ہے کہ ایک احمدی اگر مضبوط بھی ہو تو قوم کو دیکھ کر کمزور ہو جائیگا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ میاں عبدالسلام کو ایک شخص نے کہا کہ میں وہاں جا کر نمونہ دکھاؤں گا۔ مگر اس نے بھی آ کر ڈاڑھی مونچھ منڈوا ڈالیں۔ اس کا گناہ

(باہتمام عبدالرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر شائع ہوا)

إن الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء — عسىٰ أن يبعثك ربك مقاماً محموداً

غلام احمد قادیانی

نمبر ۸۳۵ رجسٹرڈ ایل

تار کا پتہ الفضل قادیان بٹالہ

THE ALFAZL QADIAN

اخبار ہفتہ میں تین بار

الفضل قادیان

فی پرچہ تین پیسے

ایڈیٹر غلام نبی

قیمت سالانہ پیشگی معہ محصول — ششماہی — سہ ماہی — بیرون ہند

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۴۸ — مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء سنہ ۶ یوم سہ شنبہ مطابق ۲۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ — جلد ۱۲

مدینۃ المسیح

خاندان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر و عافیت ہے۔

حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب و دیگر بزرگان سلسلہ بخیر و عافیت ہیں۔

جناب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب جہلم سے اور جناب سید زین العابدین ولی اللہ صاحب لاہور سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔

۲۴ اکتوبر بعد نماز جمعہ ایک مذہبی سکھ جناب مولوی سید سرور شاہ صاحب کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کا آخری دم تک استقلال

قتل بیگناہ کی امیر کابل نے تصدیق کی۔ نامہ نگار ڈیلی میل کا بیان

اخبار مذکور میں اسکے ایک نامہ نگار کی طرف سے جو انگریز معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل مضمون شائع ہوا ہے:۔

"ایک مسلمان مولوی کی کہانی۔ جسپر کابل میں قتل کا فتویٰ لگایا گیا۔ ہمارے ایک کابلی نامہ نگار کے قلم سے۔

کابل ۲۶ ستمبر۔ چند دن گذرے۔ کابل کی چھاؤنی شیرپور کے حدود میں ایک شخص جس کا نام نعمت اللہ قادیانی تھا۔ جو اپنے مذہبی خیالات عام اسلامی عقائد اور امام ابو حنیفہ کے فیصلہ کے خلاف رکھتا تھا۔ اور قادیانی عقائد کی تلقین کرتا تھا۔ عدالت ماتحت۔ عدالت اپیل اور عدالت اعلیٰ کے علماء کے فتویٰ کے مطابق جو اسپر لگایا گیا۔ سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا۔

ایک بہت بڑا مجمع اس فتویٰ کو عمل میں لانے کا نظارہ دیکھنے کیلئے جمع ہو گیا۔ مگر وہ شخص باوجود اپنے نہایت ہی خوفناک انجام کے جو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ نہایت مضبوطی اور پختگی کے ساتھ اپنے عقائد کا اظہار کرتا رہا۔ اور اپنے آخری سانس تک اپنے عقیدہ پر قائم رہا۔ اسی حالت میں کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کا اظہار کر رہا تھا۔ اسپر اس کثرت سے پتھروں کی بوچھاڑ برسنی شروع ہو گئی۔ کہ چند لمحوں میں ہی اس کا جسم کلی طور پر پتھروں کے بہت بڑے تودے کے نیچے دب گیا۔

کابل کی عدالتوں کی کارروائی کی تفصیل دیکر آخر میں لکھتا ہے:۔ "اس کارروائی کے بعد امیر نے ملک کے دستور کے مطابق اس فیصلہ کی بذات خود تصدیق کی جس کے بعد یہ فیصلہ عمل میں لایا گیا۔"

نظم

بُرہانِ رحیم

امرتسر کے رسالہ بلاغ ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں حسب ذیل نظم معہ نوٹ چھپی ہے :۔

بگفت گوشہ نشینے کہ اے امان اللہ
بحدِّ رجم چرا گشتہ حقیقت پوش

سزائے مُرتد اگر ایں بود بہرِ ملّت
بہ بزم دہر شود شمع پند و وعظ خموش

اگر کسے بخیال تو ارتداد گزید
جزائے اوست جہنم کلام حق بہ نیوش

مگر نہ آگہی از سرِّ نصِ لا اکراہ
قدم زدی بہ رہِ مفتیانِ جبر فروش

بگفت امیر کہ از حکم شرع آگاہم
ولے سیاست ملکم نمود حلقہ بگوش

بہ بردہ ام چو بہ حصن حصین شرع پناہ
برائے حیلۂ شرعی بطعن و طنز مکوش

رموز سلطنت خویش خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی تو بیخبر مخروش

(رئیس)

(نوٹ:) یہ رجم اسلام کے قطعاً مخالف واقع ہوا ہے امیر صاحب اپنی طرف سے اپنی قوم کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں مگر قوم کے بگڑے ہوئے حالات درستی پر آتے ہی آئینگے ابھی تازہ بات ہے کہ ہم امیر صاحب کو رعایا کے لئے عام آزادی کا اعلان کرتے ہوئے دیکھتے تھے کہ ہر قسم کے خیالات کے انسان بہ آزادی امیر صاحب کی قلمرو میں رہ سکتے ہیں۔ یا اب ایسے رجم کا واقع سنتے ہیں۔ جس کو اسلامی شعار کے تحت لانے کی سعی کی جاتی ہے۔ جو اسلام کے خوبصورت چہرہ پر بدنما دھبہ ہے۔ خدا انہیں توفیق بخشے کہ ہم بہت ہی گہری سوچ اور قرآنی تعلیمات کے مطالعہ کے بعد ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالا کریں۔ ایسے انتہائی جبر و ستم ہمیشہ بڑے بڑے انقلابات کا پیش خیمہ ہوا کرتے ہیں۔ خدا انہیں پابندی احکام کی توفیق عطا فرمائے؟"

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کا ذکر ولایت کے اخبارات میں

اخبار ویسٹ منسٹر گزٹ اپنے ۸ ستمبر ۱۹۲۴ء کے پرچہ میں لکھتا ہے :۔

"ہز ہولی نس خلیفۃ المسیح کی ملاقات اور انکو چائے کی دعوت دینے کے لئے لنڈن کے مسلمان کل بعد دوپہر اپنی مسجد واقع میلروز روڈ سوتھ فیلڈ میں جمع ہوئے۔ لنڈن کے اس مکان کے باغ میں ایک عجیب منظر تھا۔ ہندوستانی لوگ جن میں سے بعض خالص مغربی لباس میں ملبوس تھے اور بعض نیم مغربی لباس میں جن کے سروں پر پگڑیاں یا رومی ٹوپیاں تھیں۔ نہایت آزادی سے ان یورپین لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ جنمیں سے کثیر تعداد نومسلموں کی تھی۔

اس دعوت پر جو مولوی عبدالرحیم نیرّ نے دی۔ تقریباً ساٹھ مہمان تھے۔ ہز ہولی نس نے ان میں سے بہتوں کو اپنے ساتھ نہایت ہی سرگرم مذہبی گفتگو میں مشغول رکھا۔ آپ سفید پگڑی باندھے ہر وقت اپنی جماعت کے مودب پیرووں سے گھرے رہتے تھے۔

دوران دعوت میں بارش کے چھینٹے بھی کبھی کبھی پڑتے رہے۔ لیکن وہ خدا کے اس پرستار کی خوشی میں دخل انداز ہوتے معلوم نہیں ہوتے تھے اور وہ تمام جو مدعو تھے۔ چائے اور کیک کی دعوت سے جو مغربی طرز پر پیش کی گئی تھی محظوظ ہوئے

جب دعوت ختم ہوچکی۔ تو مولوی صاحب نے نہایت صاف انگریزی میں ہز ہولی نس کو ان کی آمد پر دل کو لبھانے والا نہایت موثر ایڈریس دیا۔ جس کا ہز ہولی نس نے مناسب اور خاصہ طویل جواب دیا۔

کارروائی کے اختتام پر مسلمان حاضرین مسجد میں حسب معمول مغرب یعنی شام کی نماز ادا کرنے کے لئے داخل ہو گئے "۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا پتہ

گذشتہ سے پیوستہ پرچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا عدن کا پتہ لکھا گیا ہے۔ اس کے متعلق مزید یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ وہاں جو خطوط بھیجے جائیں۔ ان پر اسی شرح سے محصول ڈاک لگیگا۔ جو ہندوستان میں رائج ہے خطوط پر پتہ انگریزی ہونا چاہیئے۔

۲۹ اکتوبر کے بعد جو اصحاب حضور کو بمبئی کے پتہ پر خط لکھنا چاہیں۔ وہ حسب ذیل پتہ پر لکھیں :۔

معرفت چودہری سردار علی صاحب
احمدیہ ایسوسی ایشن۔ میمنی بلڈنگ۔ قریب کھڑا پارسی
بائی کلا پوسٹ نمبر ۸۔ بمبئی

(۲)

اخبار ڈیلی ایکسپریس ۲۴ ستمبر ۱۹۲۴ء لکھتا ہے :۔

"قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت سے جو مسجد ووکنگ کے مفتی نے کی۔ اس کانفرنس کے دوسرے اجلاس کی کارروائی کا افتتاح کیا گیا۔ جو سلطنت برطانیہ کے زندہ مذاہب کے متعلق کیمبرج میں منعقد ہوئی۔

خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ ان تین بڑے مسلمانوں میں سے جنھوں نے اس کانفرنس کے لئے مضمون تیار کئے ایک تھے۔ مگر انہوں نے بذاتِ خود اپنا مضمون نہ پڑھا۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ وہ اس طرح مضمون پڑھنے کے عادی نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے ملک میں بعض اوقات بارہ ہزار آدمیوں کے مجمع میں چھ چھ گھنٹے تقریر کرتے ہیں۔ وہ پلیٹ فارم پر سبز پگڑیوں والے اپنے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے"۔

(۳)

اخبار مارننگ پوسٹ ۲۴ ستمبر "پیغام اسلام" کے ہیڈنگ کے ماتحت لکھتا ہے :۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے دوسرے اجلاس کے سر تھیوڈور مارلیسن چیرمین تھے۔ تیسرا پرچہ حاجی مرزا بشیر الدین صاحب کا تھا جو کہ سلسلہ احمدیہ کے امام ہیں اور جن کا مرکز قادیان پنجاب ہے۔ یہ سلسلہ اپنے بانی کے نام پر موسوم ہے۔ جن کا نام (حضرت) مرزا غلام احمد تھا۔ (حضرت) مرزا غلام احمد صاحب کے بعد موجودہ خلیفۃ المسیح تیسرے ہیں۔ بیان کیا گیا۔ کہ احمدیت اسلام میں سے اسی طرح نکلی ہے۔ جس طرح عیسائیت یہودیت میں سے۔

شکریہ

الفضل کی کسی گذشتہ اشاعت میں تین مقامات پر اخبار مفت جاری کرنے کے لئے تحریک کی گئی تھی اعلان پڑھتے ہی برادرم بابو محمد رشید خان صاحب سب سٹیشن ماسٹر گوڑ نے بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ اسلامیہ کالج اور نوردا سپور کچہری کے لئے اخبار جاری کر کے مجھ سے قیمت وصول فرمالیں جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ برادر موصوف کا یہ طریق مسابقت بالخیرات قابل قدر و لائق شکریہ ہے۔ سب احباب ایسے قدر کا خیال رکھیں گی